مولانا عبدالقیوم حقانی

اُمّتِ مُسلمہ کا المیہ

مِلّی وحدت، قومی تشخّص اور اتحادِ اُمّت کی راہ سے فرار کیوں؟

گذشتہ سال ”فلسطینی خواتین نے لبنان کی ایک خبر رساں ایجنسی کے نمائندے کو انٹرویو دیتے ہوئے شتیلا کیمپ میں فلسطینیوں کی آپس کی لڑائی پر گہرے افسوس اور اضطراب کا اظہار کیا تھا انہوں نے کہا مسلمانوں کے ہاتھوں مسلمان بھائیوں کا قتل دیکھ کر ہماری گردنیں شرم سے جھک گئی ہیں اور ہمارا دل چاہتا ہے کہ ہم خودکشی کرلیں“

اس نوعیت کی بیسیوں خبریں گذشتہ کئی ماہ سے اخبارات میں چھپ رہی ہیں جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ برادر کشی بھی مسلمان کا شعار بن چکا ہے۔ صابرا اور شتیلا کیمپ میں مسلمانوں کی باہمی تاچاکی اور آئے دن کی لڑائیوں نے دُنیا کے سامنے جو مناظر پیش کیے ہیں اُن کے سامنے یہودی فوج کے مظالم کی سنگینی ماند پڑ گئی ہے۔ امل ملیشیا اور حزبُ اللہ نے فلسطینی مسلمانوں کو جس بے رحمی اور شقاوت سے گولیوں کا نشانہ بنایا اور اُن کا قتلِ عام کیا وہ یہودی فوج کی ہلاکت خیزی پر بازی لے گیا۔ اور اس میں انتہائی شرمناک پہلو یہ ہے کہ مرنے اور مارنے والے سب ”مسلمان“ اور اپنی اپنی جگہ اسرائیل کے حریف اور اس کے خلاف ”جہاد“ کے علمبردار تھے۔

لبنان کی یہ المناک صورتحال لبنان تک محدود نہیں ہے یہ پوری ملّتِ اسلامیہ کا المیہ بن چکی ہے اور خودکشی کر لینے کی جس نیت کا اظہار ہماری فلسطینی بہنوں نے کیا ہے وہ افریقہ و ایشیا کے بیشتر ممالک کی مظلوم بیواؤں، غمزدہ ماؤں، ستم رسیدہ بہنوں اور سر چھپانے کے سایہ سے بے کر شفقت و کفالت سے محروم لاکھوں حرماں نصیب بیٹیوں اور سوگوار بچوں کی آرزو بن چکی ہے ——— کوئی غزہ اور مقبوضہ بیت المقدس میں تباہ شدہ اور اُجڑے ہوئے خاندانوں کی خواتین کا حالِ دل جاننے کی کوشش کرے، کوئی افغانستان میں یا ایران اور پاکستان کے افغان مہاجرین کے کیمپوں میں افغان خواتین کے جذبات و احساسات سے آگہی کی زحمت فرمائے، کوئی ایران و عراق کی لاکھوں خواتین کی کیفیتِ قلبی کو اپنے شعور و ادراک کی سطح پر منتقل کرنے کی سبیل پیدا کرے، کوئی بھارت کے فساد زدہ علاقوں میں جا کر اُن خواتین کی بپتا سُنے جن کے شوہر، باپ، بھائی اور بیٹے ان کی آنکھوں کے سامنے ذبح کر دیئے گئے، جن کی جوان بچیاں بے آبرو [illegible] ہوئیں یا اغوا کر لی گئیں، کوئی کراچی، حیدر آباد، اور سرحد و پنجاب میں ہونے والے فسادات، تخریب کاری اور بمباری کا نشانہ بننے والے علاقوں میں زندہ درگور خواتین سے جا کر پوچھے کہ بی بی! اب جینے کی تمنا کتنی باقی ہے؟ تو سب کا ردِ عمل وہی ملے گا جس کا اظہار شتیلا کیمپ کی خواتین نے کیا ہے۔

بھارت اور مقبوضہ فلسطین کی خواتین کا دُکھ تو غیر مسلموں کا دیا ہوا ہے، وہ شاید صبر و شکر کے معاملہ میں دوسروں سے مختلف نظر آئیں لیکن لبنان، افغانستان، پاکستان، عراق، ایران اور شام وغیرہ کی مظلوم خواتین اپنی بربادی کا ذمہ دار کسے قرار دیں؟ افغانستان میں بلاشبہ روس کی مسلح افواج نے مظالم کے پہاڑ توڑے مگر اُن کی آمد کا راستہ کس نے ہموار کیا؟ ان کی پذیرائی اور معاونت کس نے کی؟ اور اب جبکہ فتح اور غلبہ کا نازک ترین مرحلہ قریب آن پہنچا ہے ببرک کارمل اور نجیب کا کردار کون ادا کر رہا ہے؟ یہ بھی تو سب اپنے ہی ہم وطن اور اپنے ہی اہلِ خاندان و ہم قبیلہ لوگوں کا کیا دھرا ہے۔ مُسلم خواتین یا عام لوگ ابوموسیٰ اور یاسر عرفات کے نظریات اور اختلافات سے بے خبر ہیں، وہ نجیب اللہ اور مجاہدین کے اہداف اور سیاسی وابستگیوں کو نہیں جانتے، وہ تو اتنا جانتے ہیں کہ بظاہر دونوں مُسلمان ہیں پھر برسرِ پیکار کیوں ہیں؟

◎ بہرحال مسلم دنیا کی یہ مجموعی صُورتحال خاصی تشویشناک ہے۔ ایک زمانہ وہ تھا کہ دیبل کے ساحل پر ڈاکوؤں کے ہاتھوں لُٹنے والی ایک عورت حجاج بن یوسف کو مدد کے لیے پکارتی ہے۔ اور تاریخ میں انتہائی ظالم اور سفاک حکمران کی شہرت رکھنے والا یہ مسلمان بھائی اپنی مسلمان بہن کی پکار کا جواب عرب سے محمد بن قاسمؒ کی بحری لشکر کشی کی روانگی کی صورت میں دیتا ہے ــــ لیکن آج غزہ میں، بیت المقدس میں، بھارت میں، افغانستان میں، پاکستان میں، بنگلہ دیش میں، افریقہ کے قحط زدہ علاقوں میں، جنوبی افریقہ اور حبشہ اور آزاد ہونے والی رُوسی مسلم ریاستوں میں لاکھوں مظلوم مسلم خواتین کی پُکار اور چیخیں فضا میں گونج رہی ہیں ــــ مگر اپنے ملک کے حکمران ہوں یا مسلم دُنیا کے حاکمانِ وقت، سب پر سکوتِ مرگ طاری ہے۔ ان میں جن کے ضمیر میں زندگی کی کوئی رمق یا ایمان کی کچھ حرارت باقی ہے اُن کے عملی اقدامات کی حدود بھی اظہارِ تعزیت و ندامت یا زیادہ سے زیادہ کسی قرارداد کی منظوری اور اس کی سالانہ مشق سے آگے نہیں بڑھتیں ــــ اگر ایسا نہ ہوتا تو پانچ کروڑ عربوں میں گھرا ہوا تیس لاکھ یہودیوں کا اسرائیل یوں مہینوں غزہ اور مقبوضہ بیت المقدس میں مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں کو ذبح نہ کرپاتا، لبنان مقتل میں تبدیل نہ ہوتا، افغانستان قتل گاہ نہ بنتا، شتیلا کیمپ کی مظلوم خواتین کو زندہ رہنے پر خودکشی کر لینے کو ترجیح دینے کی ضرورت پیش نہ آتی، جہادِ افغانستان اب کے نازک ترین اور حساس مرحلے میں باہمی آویزشوں، ناچاکیوں اور کشت و خون کی ہولناکیوں میں تبدیل نہ ہوتا۔

مسلم دنیا کی اس المناک صورتحال کے پیشِ منظر ذیل میں اجمالاً ایک تجزیہ اور اس کے پس منظر اور اسباب پر محض ایک سرسری گفتگو پیشِ خدمت ہے اور اگر آپ بھی قدرے تامل سے غور فرمائیں تو حسبِ ذیل عوامل اُبھر کر سامنے آتے ہیں:۔

قرآن حکیم نے سورۂ بقرہ کی ابتدائی دس آیات میں پوری انسانیت کو صرف تین گروہوں میں تقسیم فرمایا ہے۔ ایک

خدا کو ماننے والے مومنین، دوسرے نہ ماننے والے کافرین اور تیسرے منافقین۔ پہلے کو فلاح کی نوید سنائی ہے دوسرے کو عذاب عظیم کی خبر دی ہے اور تیسرے کو درد ناک عذاب کی وعید سنائی ہے ــــ انسانیت کی یہ تقسیم خالص عقائد اور اعمال کی بنیاد پر ہے۔ جہاں تک نسلی بنیاد پر انسان کی تقسیم کا تعلق ہے قرآن اسے حضرت آدمؑ کی اولاد قرار دیتا ہے جس کا جوڑا حضرت حواؑ کو اسی سے پیدا کیا گیا ہے۔ وہ شعوب و قبائل میں انسان کی تقسیم کا ذکر محض ان کی شناخت کی خاطر کرتا ہے ــــ لفظ "قوم" قرآن مجید میں صرف فکر و عقیدہ کے اشتراک سے بننے والے گروہ کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ ایک ہی علاقے، نسل، زبان اور تہذیبی اکائی سے تعلق رکھنے والے مصری، قوم فرعون اور قوم موسیٰ میں تقسیم کر دیئے گئے ہیں۔ اور مکہ و مدینہ کے خونی رشتوں میں جڑے ہوئے ایک ہی علاقے اور زبان و نسل کے لوگ "قوم الکافرین، قوم المنافقین اور قوم المومنین" میں تقسیم کر دیئے گئے ہیں۔ قرآن حکیم اعمال ہی کی بنیاد پر "قوم الظالمین، قوم الفاسقین اور قوم المجرمین" کی اصطلاحات استعمال کرتا ہے ــــ قرآن حکیم کا پورا خطاب ان ہی حوالوں سے ہے۔ وہ انسان کو کالا گورا، عربی عجمی، مشرقی مغربی، ایشیائی اور جغرافیائی اور نسلی امتیاز کی بنیاد پر مخاطب نہیں کرتا مگر آج کے تصور قومیت نے ہمارے ملی وجود کو بکھیر دیا ہے۔ ریاستوں کی تقسیم سے ملت تقسیم ہو گئی اور خود ریاستوں کے اندر نسلی، لسانی اور علاقائی قومیتوں کے تصورات اس سیاسی وحدت کو بھی پارہ پارہ کر رہے ہیں۔ ہم پاکستانی اس گمراہ کن تصور کے ہاتھوں اپنے وطن عزیز کو دو لخت ہوتے دیکھ چکے ہیں، اور اب کچھ غیر ملکی گماشتے اور تنگ نظر لوگ اس کے مزید ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے درپے ہیں۔ یہ محدود اور تنگ نظر تصور قومیت مسلمانوں کو کبھی اوپر نہیں اٹھنے دیتا بلکہ انہیں پستی کی طرف دھکیلتا اور اسفل السافلین کی پست ترین سطح پر پہنچا کر دم لیتا ہے۔

○ مراکش سے انڈونیشیا تک بسنے والی ایک ارب سے زائد مسلمانوں پر مشتمل امت مسلمہ اپنی وحدت و اجتماعیت کا وہ شعور کھو بیٹھی ہے جو اس نے نوآبادیاتی دور میں بھی زندہ و توانا رکھا تھا۔ اس کا امت واحدہ کا تصور نسلی، علاقائی اور لسانی بنیادوں پر تصور قومیت سے مغلوب ہو گیا ہے اور اس کے اندر ایک جسم کے مربوط، متحرک اور معاون اعضا والی کیفیت بتدریج ختم ہوتی جا رہی ہے۔ اس مرض نے ایک دوسرے سے ذہنی اور قلبی وابستگی کے رشتوں کو کمزور، دکھ درد میں شرکت کے احساس کو مردہ اور ایک دوسرے کی مدد کے لیے اضطراب، بے چینی اور عملی اقدامات کی جستجو و پیش رفت کو مفقود بنا کر رکھ دیا ہے۔ اپنائیت کی جگہ بے اعتنائی نے اور مدد و تعاون کی جگہ گریز پائی نے لے لی ہے، حالانکہ اسلام تنگی سے وسعت کی طرف بڑھنے اور آفاقی نقطہ نظر اختیار کرنے کی دعوت دیتا ہے۔

وہ قوم جس کے راہنما ہمیشہ سے اسلام کی آفاقیت کی دعوت دیتے رہے تھے، تحریک خلافت کے

ذریعہ سلطنتِ عثمانیہ کے تحفظ کی جنگ برصغیر میں لڑ رہے تھے، فلسطین کے مسلمانوں کی مدد کے لیے وفود بنا کر بھیج رہے تھے، جس کے علماء ریشمی رومال کی تحریک کے دوران ترکِ وطن کر کے افغانستان میں پناہ لے رہے تھے، بریلی اور دہلی سے چل کر بالاکوٹ میں جانیں دے رہے تھے، وہ قوم آج کس مقام پر آکھڑی ہے؟ ——

آج اپنے پڑوس میں افغانستان اور کشمیری مسلمانوں کی آزادی کے لیے کوئی اضطراب کی لہر بھی ہمارے سینوں میں نہیں اُٹھتی —— یہ ہماری دیکھتی آنکھوں کا منظر کیوں بنتا جا رہا ہے؟ فکر کی بلندی، سخن کی جان نوازی اور جان کی پُرسوزی کہاں رخصت ہو گئی؟ عشق کی آگ کیوں بجھ گئی؟ مسلمان راکھ کا ڈھیر کیوں بن گیا؟ یہ سب فکری زوال و انحطاط کا نتیجہ اور تنگ نظری کا شاخسانہ ہے۔ جو مذہب رنگ و نسل، علاقوں اور زبانوں کے بتوں کو پاش پاش کر کے اور محض عقیدے کی بنیاد پر ملّتِ واحدہ کی تشکیل دینے کے لیے نازل ہوا تھا، اس کے پیرو کار اگر انہی بتوں کے محافظ اور پجاری بن جائیں تو انہیں عہدِ جاہلیت کی قبائلی خونریزی اور ذلّت و درندگی کے جہنم میں گرنے سے کون بچا سکے گا؟ جن کے اسلاف نے بدر و حنین میں ایمان کے رشتوں کی خاطر باپ بیٹے، بھائی، چچا اور ماموں کے سر قلم کر دیے تھے، وہ ان رشتوں کی خاطر اپنے دینی بھائیوں کا قتلِ عام کرنے پر تل جائیں تو ان پر نزولِ رحمت ہوگا یا عذاب کا کوڑا برسے گا؟ اس کا اندازہ ہر صاحبِ ایمان آسانی سے کر سکتا ہے۔

◎ اس صورتحال کا دوسرا بڑا سبب یہ ہے کہ سیاسی سطح ہی پر نہیں دینی سطح پر بھی مسلمان وسیع النظر قیادت سے محروم ہوتا چلا جا رہا ہے۔ اب سے نصف صدی قبل تک مسلمانوں کے تمام روایتی مسالک اسی طرح موجود تھے جس طرح آج ہیں لیکن ان کے اختلافات مدارس کی چار دیواری تک تھے۔ سیاسی میدان میں دینی شناخت رکھنے والی شخصیات پوری اُمّت سے مخاطب ہوتی تھیں، ان کی توجہ اور فکر مندی کا دائرہ برصغیر کے تمام مسلمانوں کی اجتماعی فلاح و بہبود اور آزادی و ترقی پر محیط تھا۔ وہ اپنے مخصوص علاقے، خاص نسل، زبان اور مذہبی مسلک سے مربوط ہونے کے باوجود مسلم قوم کے راہنما اور ان کے ترجمان کی حیثیت سے پہچانے جاتے تھے۔ مگر آج مسلمانوں کی اجتماعی قیادت کرنے والی شخصیات کا فقدان ہے۔ کوئی پختون راہنما ہے تو کوئی بلوچ راہنما، کوئی سندھی راہنما ہے تو کوئی مہاجر راہنما، کوئی پنجابی راہنما ہے تو کوئی بنگالی راہنما —— دینی قیادت بھی نظریاتی حد تک اُمّتِ واحدہ کے تصور کی علمبردار ہے لیکن عملاً مسلکوں کی دائرہ بندی میں محصور ہے —— بظاہر ان کی فکر آفاقی اور تصورِ قومیت اسلامی ہے مگر ان کا رابطہ اجتماعی نہیں انتخابی ہے۔ اگر ایسا کہنا سوءِ ادب نہ ہو تو یہ ایک حقیقت ہے کہ ہم قیادت کے لحاظ سے بونوں اور چھوٹے لوگوں کے عہد میں جی رہے ہیں۔ وسیع النظر قیادت قوم کو پستی سے اٹھا کر ہمیشہ وسعت و رفعت کی طرف لے جاتی ہے اور کم ظرف و تنگ نظر قیادت اس کے اعضاء و اجزاء کو توڑتی، بکھیرتی اور موت کے گھاٹ اتارتی ہے۔

کسی قوم کی بدنصیبی اور تباہی کے لیے اتنی بات کافی ہے کہ اس کی قیادت کم ظرف لوگوں کے ہاتھوں میں چلی جائے اور افرادِ قوم اپنے گرد مختلف تعصبات کے دائرے کھینچ کر اس میں محصور رہنے پر رضامند ہو جائیں۔ ہم نے تحریک پاکستان اور تحریک نظام مصطفےٰ کے دوران مختلف مسالک اور نظریات رکھنے والے راہنماؤں، علماء کرام اور دینی قوتوں کے اتحاد کی طاقت اور پھر منبر و محراب سے لیکر گلی کوچوں تک ان کے باہمی سر پھٹول کے نتائج اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں۔ مسلمانوں کی قوت و شوکت اور ان کی حفاظت و سلامتی علماء اور محب اسلام و وطن سیاسی راہنماؤں کے اتحاد میں مضمر ہے۔ یہ اتحاد چونکہ آجکل پارہ پارہ ہے اس لیے قوم کا دامن بھی تار تار ہے۔

◎ مسلم دنیا کی المناک صورتحال کا ایک اور بڑا سبب اس بدیہی حقیقت کے ادراک سے محرومی ہے کہ اشتراکیت، عیسائیت، صیہونیت اور ہندومت سب نے اسلام کے خلاف اپنے مشترکہ جذبہ عناد کی خاطر عالم اسلام کو جارحیت، داخلی تخریب کاری، معاشی استحصال اور سیاسی سازشوں کا مرکز بنالیا ہے۔ خلیج کی جنگ، امریکہ کا نیا عالمی نظام، مسئلہ کشمیر میں یہودی حکومتوں کا مؤقف، افغانستان کے مسئلہ پر روسی امریکی اتحاد اس کا بین ثبوت ہیں۔ آج دنیا بھر سے جنگوں کی بساط لپیٹ کر مسلم دنیا کو میدانِ جنگ میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ عالم اسلام اس وقت الحاد، کفر اور شرک کی جملہ قوتوں کی مشترکہ یلغار کی زد میں ہے مگر مسلمانوں کو اس کا شعور اور احساس نہیں ہے۔

آج تمام بیرونی طاقتیں مسلمانوں کو نوسیکولر سیاست کی پٹی پڑھاتی ہیں تاکہ انہیں اسلام کے سرچشمہ قوت سے کاٹ دیا جائے۔ وہ اسرائیل کے یہودی ہوں یا امریکہ اور برطانیہ کے عیسائی، روس کے ملحد ہوں یا بھارت کے ہندو سب اپنے اپنے مذہب اور عقیدے پر منظم اور اپنے تعصبات میں انتہائی کٹر ہیں۔ اُن کی بین الاقوامی سطح پر شیرازہ بندی عقائد و نظریات ہی کی بنیاد پر ہے۔ وہ خود تو اس سے قوت و غلبہ حاصل کرتے ہیں لیکن مسلمانوں کے پاس سے وہ یہ سرمایہ چھین لینا چاہتے ہیں تاکہ وہ کوئی اجتماعی قوت نہ بن سکیں اور ٹکڑیوں میں بٹ کر ان کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بن کر ایک دوسرے کو فنا کے گھاٹ اتار سکیں۔

نعرۂ تکبیر، اسلام زندہ باد اور مسلمانوں کا باہمی اعتماد و اتحاد اُن کے لیے موت کا پروانہ ہے۔ لہٰذا تمام دشمنانِ اسلام مسلمانوں کے اندر نقب زن قوتوں کو پروان چڑھا کر ان سے اپنا کام لے رہے ہیں اور ستم ظریفی یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک خود کو خادمِ اسلام سمجھے بیٹھا ہے۔

ہماری بربادی کے اسباب اور بھی ہیں مثلاً طبقاتی نظام تعلیم، صنعت و حرفت میں پسماندگی، دفاع میں بیرونی انحصار اور مغربی نظام سیاست وغیرہ۔ اگر ہم مندرجہ بالا مذکورہ اسباب پر ہی سنجیدگی سے کچھ توجہ دے سکیں تو ہماری ماؤں، بہنوں اور بچیوں کو خودکشی کا ارادہ ظاہر کرنے کی ضرورت پیش نہ آئے گی۔

●